# استعارہ کے بنیادی مباحث-ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر مزمل حسین *

***Abstract:***

"Metaphor" is one of the most important elements of the 'Art of description'. The use of metaphor in 'Poetry and Literature' is based upon aesthetic values. The fundamental difference between 'Literature and Non-Literature' is of metaphorical and non-metaphorical style. Other subjects like History, Journalism and Political Science make use of a language that is Usually, more descriptive than metaphorical keeping in mind. The importance, basic concepts and usefullness of 'Metaphor' a humble effort has been made to debates in the manner of research in the presented thesis.

اردو کی تمام بلاغتی کتب (۱) لے میں استعارہ کے لفظی معنی اور تعریف کم وبیش ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے......لفظی ''معنی مستعار لیا ہوا'' اور اصطلاحی معنی؛ جب لفظ اپنے اصلی اور حقیقی معنوں کے بجائے غیر حقیقی اور مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو اور ایسا انداز یا قرینہ بھی موجود ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہو رہا تو یہ استعارہ کی کیفیت یا صورت ہو گی۔

چونکہ استعارہ کی بنیاد تشبیہ پر ہے اس لیے علم بیان کے باب میں تشبیہ، کے بعد زیر بحث آتا ہے۔استعارہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ ارکان استعارہ پر بھی اردو کے تمام ماہرین بلاغت متفق ہیں۔ان تمام کے نزدیک ارکانِ استعارہ یہ ہیں:

مستعارلہ: جس کے لیے کچھ مستعار لیا جائے۔

مستعارمنہ: جس سے کچھ مستعار لیا جائے۔

---

* اُستاد شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، لیہ۔

وجہ جامع: وہ خوبی جو مستعار لہ میں اور مستعار منہ میں مشترکہ طور پر پائی جائے۔

مستعار لہ اور مستعار منہ طرفین استعارہ کہلاتے ہیں: بعض کتب میں ان تین ارکان کے علاوہ "مستعار" کو بھی رکن استعارہ کے طور پر شمار کیا جاتا ہے۔ مستعار منہ کے جس معنی کو مجازی طور پر مستعار لہ کے لیے لیا گیا ہو وہ "مستعار" ہے۔

اقسام استعارہ کے باب میں بھی تمام ماہرین بلاغت کا اتفاق ہے، ان کے نزدیک اقسام استعارہ اس طرح سے ہیں:

۱۔ استعارہ بالکنایہ: وہ استعارہ ہے جس میں صرف مستعار لہ، کا ذکر ہوتا ہے۔

۲۔ استعارہ بالتصریح: وہ استعارہ ہے جس میں صرف مستعار منہ کے مناسبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۳۔ استعارہ تمثیل: اس میں مستعار منہ کا ذکر ہوتا ہے لیکن اصل میں ارادہ مستعار منہ کا ہوتا ہے اور اس میں مستعار لہ، مستعار منہ اور وجہ جامع کئی چیزوں سے مل کر حاصل ہوتے ہیں اس استعارے کو تمثیل مطابق، مجاز مرکب اور تمثیل بر سبیل استعارہ بھی کہتے ہیں۔

۴۔ استعارہ وفاقیہ: یہ وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ اور مستعار منہ کا ایک ہی ذات میں جمع ہونا ممکن ہو۔

۵۔ استعارہ عنادیہ: اس میں مستعار لہ اور مستعار منہ کا ایک ذات میں جمع ہونا ممکن نہ ہو۔

۶۔ استعارہ داخلیہ جزویہ: وہ استعارہ ہے جس میں وجہ جامع مستعار لہ اور مستار منہ کے مفہوم کا ایک حصہ ہو۔

۷۔ استعارہ خارجیہ: وہ استعارہ ہے جس میں وجہ جامع مستعار لہ اور مستعار منہ کے مفہوم میں داخل نہ ہو۔

۸۔ استعارہ عامیہ یا مبتذلہ: وہ استعارہ ہے جس میں وجہ جامع جلد سمجھ میں آ جائے۔

۹۔ استعارہ غریبہ: وہ استعارہ جس میں وجہ جامع دقیق اور نادر ہو اور کافی غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے۔

۱۰۔ طرفین استعارہ اور وجہ جامع، تینوں حسی ہوں۔

۱۱۔ طرفین استعارہ اور وجہ جامع تینوں عقلی ہوں۔

۱۲۔ طرفین استعارہ حسی ہو اور وجہ جامع عقلی ہو۔

۱۳۔ طرفین استعارہ حسی ہوں اور وجہ جامع حسی اور عقلی اجزاء سے مرکب ہو۔

۱۴۔ مستعار لہ حسی ہو اور مستعار منہ اور وجہ جامع عقلی ہوں۔

۱۵۔ مستعار منہ حسی ہو اور مستعار لہ اور وجہ جامع عقلی ہو۔

۱۶۔ استعارہ اصلیہ: وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار، اسم جنس ہو یا اسم جنس کے مشابہ ہو۔ اِسے استعارہ اصلیہ کہتے ہیں کہ اس میں مشبہ اسم ہوتا ہے اور استعارہ کی صورت براہ راست اسی میں موجود ہوتا ہے۔

۱۷۔ استعارہ تبعیہ: وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار فعل، مشبہ فعل یا حرف سے متعلق ہو، شبہ فعل سے مراد مشتقات یعنی اسم فاعل اور اسم مفعول ہیں۔ اسے استعارہ تبعیہ اس لیے کہتے ہیں کہ فعل شبہ فعل میں براہ راست استعارہ نہیں کیا جا سکتا۔

۱۸۔ استعارہ مطلقہ: وہ استعارہ ہے جس میں طرفین میں سے کسی کے مناسبات کا ذکر نہ ہو۔

۱۹۔ استعارہ مجرد: وہ استعارہ ہے جس میں صرف مستعار لہ، کے مناسبات کا بیان ہو۔

۲۰۔ استعارہ مرشحہ: وہ استعارہ ہے جس میں صرف مستعار منہ کے مناسبات کا ذکر ہو۔

۲۱۔ استعارہ موشحہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ اور مستعار منہ دونوں کے پہلو موجود ہوں۔

استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے۔ مجاز کیا ہے؟ اِس کے جاننے کے لیے حقیقت کی اصطلاح کو بھی سمجھنا ہوگا۔ حقیقت، وہ کلمہ، جسے جس معنی کے لیے واضح کیا گیا ہو وہ اسی معنی میں استعمال کیا جائے، علم بلاغت کے اصطلاح میں اس کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

۲۲۔ حقیقت لغوی: اگر کوئی لفظ لغت میں کسی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے تو اس کو حقیقت لغوی کہتے ہیں۔ مثلاً خورشید کا لفظ سورج کے لیے۔

۲۳۔ حقیقت شرعی: اگر کوئی لفظ شرع میں وضع کیا گیا ہو تو اسے حقیقت شرعی کہیں گے۔ مثلاً ''صلوٰۃ'' نماز کے لیے۔

۲۴۔ حقیقت عرفی: بلحاظ ''حقیقت'' اِس کی دو اقسام ہیں: حقیقتِ عرفی خاص...... حقیقت عرفی عام...... حقیقت عرفی خاص سے مراد یہ ہے کہ علم کے مختلف شعبوں کے لیے خاص اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں۔ جو انہی شعبوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ مثلاً فلسفی، منطقی، نحوی، صرفی وغیرہ

۲۵۔ حقیقی عرفی عام: حقیقت عرفی عام کا مطلب یہ ہے کہ بعض الفاظ کسی خاص فرقے کی اصطلاح میں وضع نہیں کیے جاتے بلکہ عام اصطلاح میں کسی ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے خاص کر لیتے ہیں مثلاً دابہ کو عام اصطلاح میں چوپائے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں حالانکہ لغت کی اصطلاح میں ہر زمین پر چلنے والا دابہ ہے مگر جب یہ لفظ عرف عام میں حقیقت بن

گیا تو پھر چوپائے ہی کے معنی میں استعمال کیا جائے گا اور حقیقت عرفی عام کہلائے گا۔

حقیقت کے مقابلے میں ''مجاز'' سے مراد یہ ہے کہ جب لفظ اپنے اصلی اور حقیقی معنی میں استعمال نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کی بناء پر کسی دوسرے معنی میں استعمال ہو تو اسے مجاز کہیں گے۔ مجاز کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

☆ مجاز لغوی: لفظ کے معنی جو علمائے لغت نے وضع کیے ہیں اگر ان معنوں کی بجائے کوئی اور معنی لیا جائے تو وہ مجاز لغوی ہوگا۔ مثلاً پھول، خوبصورت چہرے کے لیے بولا جائے۔

☆ مجاز شرعی: جو لفظ مذہبی علماء نے شرع کے لیے وضع کیے ہیں، وہ حقیقی ہیں مثلاً صلوٰۃ شرع کی اصطلاح میں نماز کے لیے متعین کیا گیا لفظ ہے۔ لیکن صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں۔ اِس لیے اگر شرعی اصطلاح میں نماز کے معنی میں استعمال کیا جائے تو حقیقت شرعی ہے اور دعا کے معنی میں استعمال کیا جائے تو مجاز شرعی ہے۔

☆ مجاز عرفی...... خاص و عام......لفظ فعل علم نحو میں الفاظ خاص کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یعنی فعل ماضی، مضارع، امر اور نہی وغیرہ، نحو کی زبان میں یہ حقیقت عرفی خاص ہے، لیکن لغت کے مطابق فعل کے معنی کرنے کے ہیں...... ''کرنے کے'' یہی معنی مجاز عرفی خاص ہیں...... اِسی طرح اصطلاحی معنوں کے بجائے کسی اور معنی میں لفظ کا استعمال کرنے سے مجاز عرفی عام بن جائے گا۔

مجاز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب لفظ کو حقیقی کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال کیا جائے تو اس بات کا بطور خاص خیال ہونا چاہئے کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں کچھ تعلق یا قرینہ ضرور ہو۔ یہ تعلق یا قرینہ تشبیہ کا بھی ہو سکتا ہے اور تشبیہ کے سوا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔

حقیقت اور مجاز کو سمجھنے کے لیے مرزا سجاد بیگ کا یہ بیان بہت وقیع ہے:

> ''ایک شخص کے دائیں ہاتھ میں پھولوں کی ڈالیاں ایک ڈورے سے بندھی تھیں یہ گلدستہ تھا۔ بائیں ہاتھ میں ایک مختصر سی کتاب تھی جس میں اساتذہ کے منتخب اشعار جمع تھے اس کتاب کا نام ''گلدستہ'' تھا......اس طرح اِس شخص کے ایک ہاتھ میں حقیقت اور دوسرے ہاتھ میں مجاز تھا کیوں کہ پھولوں کی ڈالیوں کے مجموعے پر گلدستہ کا اطلاق حقیقت ہے اور اشعار کے مجموعے کی حیثیت سے لفظ گلدستہ کے یہ معنی واضح ہیں اس کتاب میں نہ پھول ہیں نہ پتے لیکن اس کو گلدستہ اس سبب سے کہا ہے کہ اشعار کی رنگینی، شگفتگی اور تازگی کے باعث

انھیں پھولوں کی رنگینی اور تازگی سے تشبیہ دے سکتے ہیں یہ ایک صورت مجاز کی ہے۔''(۲)

استعارہ مجاز کی بحث میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ استعارہ کو عام طور پر تشبیہ کی ترقی یافتہ شکل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد تشبیہ پر ہے۔ اِسی لیے علم بلاغت کی کتب میں استعارہ کو تشبیہ کے بعد زیر بحث لایا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ ابہام پیدا ہو جاتا ہے کہ تشبیہ بھی مجاز سے متعلق ہے لیکن مجاز کی بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تشبیہ مجاز میں شامل نہیں۔ بقول ڈاکٹر صادق:

''علم بیان میں تشبیہ کو خصوصی اہمیت حامل ہے۔ تشبیہ کا مجاز کے ساتھ بھی خاص تعلق ہے کیونکہ مجاز کی ایک قسم جسے استعارہ کہتے ہیں، تشبیہ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن تشبیہ کو مجاز میں شامل کرنا درست نہیں۔''(۳)

اس کا جواز عابد علی عابد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''تشبیہ بقطع ویقین مجاز میں شامل نہیں کیونکہ تشبیہ میں کوئی لفظ اپنے معانی لغوی سے ہٹ کر مستعمل نہیں ہوتا۔ بعض اوقات مبتدیوں کو دھوکا ہو جاتا ہے کہ وجہ شبہ اور حرفِ تشبیہ کے محذوف ہونے سے وہ تشبیہ کو استعارہ سمجھنے لگتے ہیں، کیونکہ سن چکے ہوتے ہیں کہ استعارے میں مشبہ عین مشبہ بہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً ''زید شیر ہے''، اس فقرے کو سن کر اکثر مبتدی یہ گمان کریں گے کہ استعارے کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ درآں حال یہ کہ قائل نے وجہِ شبہ اور حرف تشبیہ کو حذف کر دیا ہے۔ اور جونہی ہم ان مقدرات اور محذوفات کو اپنی جگہ پر رکھتے ہیں تو فقرے کی نوعیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً زید بہادری کی صفت میں بالکل شیر کی طرح ہے۔ اب معلوم ہو گیا کہ زید شیر ہے۔ فقرے میں شیر کا کلمہ ایک جانور درندہ کے معانی میں استعمال ہوا تھا کہ لغوی میں اور یہ کلمہ اپنے معانی لغوی سے بالکل نہیں ہٹا۔''(۴)

کلام میں مجاز کی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب الفاظ کے معنی، لغوی اور حقیقی نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی اور مجازی ہوں۔ تشبیہ میں چونکہ الفاظ کے لغوی اور حقیقی معنی مراد لیے جاتے ہیں یعنی (شیر سے مراد، شیر جیسی خصوصیات، چاند سے مراد چاند جیسی خصوصیات وغیرہ) اس لیے ماہرین بلاغت تشبیہ کو مجاز کی ذیل میں نہیں رکھتے۔ تشبیہ کو مجاز میں دیکھنے کا ابہام اس لیے بھی پیدا ہوتا ہے کہ استعارہ میں لفظوں کے معنوں میں تشبیہ کا علاقہ موجود ہوتا ہے۔ کلام میں تشبیہ کی غرض اور غایت یہ ہوتی ہے کہ قاری کو اُن جذبات اور احساسات تک پہنچایا جائے جو عام الفاظ میں ممکن نہیں ہوتا۔ یعنی معروف سے مجہول تک کے سفر کے لیے تشبیہ سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں، اس لیے شاعر ان الفاظ سے کام

لیتا ہے جو عام فہم اور معنی کے اعتبار سے لغت کے مطابق ہوں۔ اگر شاعر کسی شخص کی بہادری اور طاقت کو واضح کرنا چاہتا ہے تو وہ الفاظ استعمال کرے گا جن کی معنوی کائنات سے ہر شخص واقف ہے مثلاً بہادری اور طاقت کے لیے شیر یا رستم کی تشبیہات استعمال کی جائیں گی کیونکہ ان کرداروں سے ہر شخص واقف ہے، اِسی حوالے سے دیکھا جائے تو تشبیہ مجاز کے زمرے میں نہیں آتی، کیونکہ یہاں پر کرداروں کی حقیقی خصوصیات کو مدِ نظر رکھ کر جذبے کی تفہیم کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ادبی تنقید میں ''استعارہ'' کے ساتھ ساتھ اشارہ، علامت، رمز اور ایما کثرت کے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ استعارہ تنقید کی قدیم ترین اصطلاح ہے۔ مشرقی اور مغربی ادبیات میں اس اصطلاح کے مباحث ملتے ہیں لیکن اس کے مقابلے میں ''اشارہ اور علامت'' کی اصطلاحیں جدید ہیں۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، علامت، رمز اور ایما کو ''اشارہ'' کی مرادفات گردانتے ہیں۔ (۵)

''اشارہ'' کے لغوی معنی رمز، آنکھ یا کسی اور عضو سے کوئی بات سمجھانا...... جبکہ اصطلاحی معنوں میں اشارہ کا مطلب ہے کلام میں قلیل الفاظ سے کثیر معانی کی طرف اشارہ کرنا''(۶)...... لفظی معنوں کی حد تک تو استعارہ، اشارہ، علامت، رمز اور ایما کے معنی ایک سے ہیں لیکن اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے ان میں فرق ہے۔ اشارہ، علامت کی ایک عام تعریف ہے۔ یعنی اس سے اصل اور پیچیدہ معنی کی طرف عام سا اشارہ کیا جاتا ہے۔ مکمل تشریح نہیں کی جاتی اس سے قاری معنی کی مختلف سطحوں کو بخوبی سمجھ نہیں سکتا بلکہ محض متعارف یا متوجہ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں علامت لفظ کے باطن میں چھپے مرکزی خیال کو اجاگر کرتی ہے اور معنی کی اس تہہ تک رسائی کا سبب بنتی ہے جو عام الفاظ میں شاید اتنی ممکن نہ ہو، اگرچہ تشبیہ اور استعارہ کا منصب بھی یہی ہے لیکن بہرحال علامت اس حوالے سے بھی مختلف ہے (۷) کہ اس کے ذریعے مصنف کسی تخلیق میں شعوری یا غیر شعوری طور پر کچھ رسوم کا مرتکب ہوتا ہے جسے وہ اپنی تخلیق میں سموتا ہے، پروفیسر کلیم الدین احمد اسی بات کے حوالے سے علامت کی مزید وضاحت میں لکھتے ہیں:

> ''علامت نگاری ایک ادبی ترکیب ہے جس میں اظہار کی چار سطحیں ہیں:
> 1. مظاہر پرستی، 2. استعارہ، 3. تشبیہ، 4. ٹھوس تصویر یا پیکر...... علامت محض کسی خیال یا چیز کا نشان ہو سکتی ہے لیکن یہ اس سے آگے بڑھتی ہے اور روح، انسان، کائنات اور انسانی تقدیر کو اپنی آغوش میں کھینچ لیتی ہے۔۔ علامت، sign (نشان) سے مختلف ہے۔ sign کا ایک معنی ہوتا ہے symbol، یہ زیادہ پیچیدہ ہے۔ یہ ایک چیز ہے جو دوسری چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے جیسے

صلیب عیسائیت کی علامت ہے ہتھوڑا اور درانتی کمیونزم کی علامتیں ہیں۔ادب میں پیچیدہ علامتوں کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ علامتیں کسی خاص علم سے لی جاسکتی ہیں۔ جیسے تحلیل نفسی سے یا یہ مصنف کی ذاتی اختراع ہوسکتی ہیں لیکن با اثر علامتیں وہ ہیں جو کسی فن پارے کے مرکزی خیال کو نمایاں کرتی ہیں جیسے سفید وھیل MELVILLA ناول MOBY DICK میں یا کولرج کے ANCIENT MARINER کا پورا سفر گویا عالمگیر سفر کی علامت ہے، پہلے ناامیدی و یاس کی گہرائیاں ہیں پھر نفسیاتی اور روحانی استحکام کی۔"(۸)

یعنی ادبی اور غیر ادبی علامتوں میں واضح فرق ہے۔ادب کے سوا دیگر مضامین اور علوم میں علامت کی ایک ظاہری سطح ہوتی ہے جس سے مفہوم فوری طور پر سمجھ میں آجاتا ہے اور قاری کسی بڑی ذہنی مشقت سے محفوظ رہتا ہے، علامت کی یہی سطح اسے اشارہ کے قریب کرتی ہے۔اس کے مقابلے میں ادبی علامتیں پیچیدہ اور معنی کی تہہ در تہہ سطح کی حامل ہوتی ہیں کیونکہ علامت سے اظہار کے ایک ایسے وسیلے کو فروغ ملتا ہے جس میں حقیقی زندگی کے برعکس نامعلوم سے فنی اور تخلیقی رابطہ کیا جاتا ہے اور لاشعور سے ایسے اشارے تلاش کیے جاتے ہیں جن میں صدیوں پرانے اساطیری، تہذیبی اور معاشرتی مفاہیم کی بازگشت علامتی انداز میں سنی جاسکتی ہے۔ علامت اس وقت تخلیق ہوتی ہے جب تخلیق کار کسی نامعلوم شے کو معلوم اور مجہول کو معروف بنانا چاہتا ہے(۹) اور اس کے پاس اس کے اظہار کے لیے اور کوئی راستہ نہیں ہوتا اور اس طرح اس کے استعمال سے قاری کا ذہن بالواسطہ طور پر اس شے کے بنیادی وصف کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔(۱۰)

علامت اور اشارہ؛ استعارہ سے اس طرح مختلف ہے کہ علامت اور اشارہ میں کسی لفظ یا خارجی قرینے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی استعارے کی طرح مجاز ہی کی صورتیں ہیں۔استعارے میں مستعار کے دو معنی ہیں حقیقی اور مجازی (یعنی ان میں تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے) بالکل اسی طرح علامت یا اشارہ میں بھی لفظ کے دو معنی (حقیقی اور مجازی) ہوتے ہیں۔استعارے میں لفظ مستعار کے حقیقی معنی (جو تشبیہ کے تعلق کی وجہ سے آتے ہیں) نظرانداز کر کے مجازی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ اشارہ یا علامت میں اصل معنی کی جگہ اشاراتی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ استعارہ میں حقیقت اور مجاز، اصل اور تصویر کا پوری طرح امتزاج نہیں ہوتا۔اس میں خارجی قرینہ ہوتا ہے جو حقیقت اور مجاز میں امتیاز برتتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ شاعر نے لفظ مستعار کے حقیقی معنی مراد نہیں لیے، اشارہ اور علامت میں اس قسم کا کوئی خارجی قرینہ نہیں ہوتا اس میں حقیقی اور مجازی معنی مل کر ایک ہوجاتے ہیں اور خواب کی طرح اصلی خیال اور مثال

میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یعنی اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامت اور اشارہ میں خارجی یا ظاہری قرینہ بلاشبہ نہیں ہوتا لیکن داخلی یا ذہنی قرینہ ضرور ہوتا ہے جو اس کے باطن میں چھپے معنی کی کئی نامعلوم جہتوں کو نمایاں کرتا ہے۔(۱۱)

''استعارے'' کے ان بنیادی مباحث میں کہیں کہیں اس بات کا ترشح ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جھوٹ کے لیے کوئی جواز تلاش کر رہا ہے اور یہیں سے ''کذب'' کی بحث کا آغاز ہوتا ہے۔شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ استعارہ کسی غیر عقلی چیز کو عقلی بنیادوں پر تسلیم کروانا چاہتا ہے مثلاً یہ شعر جو اکثر اُردو کی بلاغتی کتب میں استعارہ کی تشریح کے لیے استعمال ہوا ہے بظاہر کذب کو جنم دے رہا ہے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کُہن کانپ رہا ہے

اگر دیکھا جائے تو اس میں استعارہ بالکنایہ کا استعمال ہوا ہے کہ اس میں حضرت عباسؑ کے لیے شیر کو بطور استعارہ لایا گیا ہے۔اور اس بہادر شخص کی ہیبت اور دہشت سے میدان جنگ اور آسمان تک دکھایا گیا ہے، یہ بات عقل کے منافی ہے کیونکہ کوئی شخص جتنا بھی بہادر اور طاقت ور ہو اس کی بہادری اور طاقت سے زمین یا آسمان کانپ نہیں سکتے لیکن استعارہ کا یہی کمال ہے کہ وہ غیر عقلی پہلوؤں کو عقلی بنیادیں فراہم کرتا ہے لہٰذا استعارہ کی تعریف میں کچھ تصرف کرتے ہوئے راقم کا خیال ہے، کہ استعارہ کا مطلب غیر عقلی چیزوں کو عقلی بنیادوں پر لانا ہے کیونکہ اس سے فنکار کے اس جذبے کی شدت کا اظہار ہوتا ہے جس سے دیگر لوگ ناآشنا ہیں۔

''استعارہ'' کے اسی وصف کی بنیاد پر بعض اوقات اسے کذب کے زمرے میں رکھا جاتا ہے لیکن تعجب اس بات کا ہے کہ اردو کی اکثر بلاغتی کتب میں استعارہ اور کذب کے فرق کا بیان تو ہوا ہے لیکن استعارہ کے ساتھ کذب کی تعریف بیان نہیں کی گئی، صرف ان بات کا تقابل پیش کیا گیا ہے اس سلسلے میں چند ماہرین کے تقابلی جائزے دیکھئے جوانھوں نے استعارہ اور کذب کے حوالے سے بیان کیے ہیں۔بقول نجم الغنی:

> ''استعارہ اور کذب میں یہ فرق ہے کہ استعارہ کی بنا تاویل پر ہے، یعنی ''مشبہ'' کے ''مشبہ بہ'' کی جنس سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس میں اس بات کا قرینہ قائم ہوتا ہے کہ یہاں معنی موضوع لہ مراد نہیں ہیں اور کذب میں تاویل و قرینہ نہیں ہوتا، بلکہ جھوٹا آدمی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے ظاہر قول کی صحت سامع کے نزدیک ثابت کرے، بخلاف استعارے کے کہ اس میں اس بات پر قرینہ قائم کیا جاتا ہے کہ یہاں ظاہر کے خلاف مراد ہے۔''(۱۲)

بقول حافظ جلال الدین احمد:

''استعارہ اور کذب میں یہ فرق ہے کہ استعارے کی بنا تاویل پر ہے، یعنی مشبہ کے لیے یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ مشبہ بہ کی جنس سے ہے اور اس میں یہ قرینہ پایا جاتا ہے کہ یہاں پر موضوع لہ مراد نہیں ہے اس کے برخلاف کذب میں تاویل اور قرینہ نہیں ہوتا۔''(۱۳)

بقول عابد علی عابدؔ:

''استعارے میں اور کذب میں کیا فرق ہے۔ دراصل اس کا جواب اصولی تو یہ ہے کہ استعارے میں ایک حقیقت بطور مبالغہ بیان کی جاتی ہے اور فنکار اس بات کا قرینہ ہمیشہ قائم رکھتا ہے کہ میں الفاظ کو ان کے معنی اصلی میں نہیں بلکہ معنی مجازی میں استعمال کر رہا ہوں۔ کبھی یہ گمان نہیں سے ہوتا کہ شاعر جھوٹ بول کر ہمیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ غالبؔ کے قصیدے کی تشبیب میں طلوع آفتاب کے سلسلے میں جو استعاروں کا سلسلہ قائم ہے اس میں دیکھیے قرینہ کیسا محکم موجود ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رات کو آسمان پر موتیوں کا زیور کھلا پڑا نہ تھا کہ خسرو انجم اسے چرا لیتا اور پھر اپنی شعاعوں میں نور کے موتی بنا کر پرو لیتا بلکہ استعارے کی صورت صاف ظاہر کرتی ہے کہ فنکار نے ایک حقیقت کے انکشاف کے لیے کچھ مماثلتیں اور مشابہتیں ڈھونڈی ہیں منطقی طور پر قائل کو چپ کرانے کے لیے۔''(۱۴)

یہی مماثلتیں اور مشابہتیں استعارہ کا امتیاز ہیں جو حقیقت کو منکشف کرنے میں معاونت کرتی ہیں۔ استعارے میں بنیادی طور پر دو پہلو قابل ذکر ہیں ایک تو یہ مشبہ کو مشبہ بہ کی جنس سے بطور تاویل ٹھہرا لیا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ کوئی ایسا قرینہ قائم کیا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ استعارے میں جو شے متعارف کرائی گئی ہے وہ مراد نہیں، بلکہ اس کے برخلاف کوئی اور شئے ظاہر کرنا مقصود ہے کذب میں یہ دونوں پہلو نہیں ہوتے یعنی مشبہ کو مشبہ بہ کی جنس سے ٹھہرانا اور شئے متعارف مراد نہ ہونے پر قرینہ قائم کرنا اور صرف یہی فرق استعارے اور کذب میں ہوتا ہے کہ استعارے میں ادعا اور قرینہ ہوتا ہے کذب میں نہیں ہوتا۔''(۱۵)

''استعارے'' کی یہ بحث اِس بات کا واضح اشارہ ہے کہ ''استعارہ'' علمِ بیان کا ایسا رکن ہے جو ہمہ جہت

ہے یہ تخلیقی عمل برجستگی اور تہہ در تہہ معنوں کی بنیاد بنتا ہے۔ اِس کی موجودگی تخلیقی عمل (نثر اور نظم) میں ایک جمالیاتی قدر کو نہ صرف مستحکم کرتی ہے بلکہ فکر و فن کے تناظر میں قاری کے لیے ترفع کے سامان بھی پیدا کرتی ہے۔ ''استعارہ'' کی مختلف صورتیں کنایہ، تعریض، تلویح، رمز، ایماء اور اشارہ ہیں جو شعر و ادب میں اپنا اپنا حسن دکھاتی ہیں اور قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں رکھتی ہیں۔

''کنایہ''، استعارہ کی توسیع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں، پوشیدہ بات کرنا، یعنی بات ایسے انداز سے کرنا کہ مقصد کی وضاحت نہ ہو لیکن علم بیان کی رو سے کنایہ سے مراد ایسا لفظ ہے جو اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہو لیکن مفہوم غیر حقیقی ہو، اور اگر حقیقی معنی بھی مراد لیے جائیں تو بھی فرق نہ پڑے، کنایہ کی یہ وہ تعریف ہے جس پر اردو کے تمام ماہرین بلاغت متفق ہیں۔ ''کنایہ'' کی مختلف صورتوں کے حوالے سے جو تفصیل اکثر اردو کی بلاغتی کتب میں ملتی ہے وہ اس طرح سے ہے:

☆ کنایہء موصوفیہ: کنائے کی اس صورت میں صفت کا ذکر کر کے موصوف مراد لے جاتا ہے: اس کی دو اقسام ہیں:

۱) کنایۂ موصوفیہ قریب...... ب) کنایہ موصوفیہ بعید۔

پہلی قسم میں موصوف کی کسی مخصوص صفت کا ذکر کیا جاتا ہے جسے سمجھنے میں قاری کو دقت محسوس نہیں ہوتی، جبکہ دوسری قسم میں موصوف کی کئی صفات کا ذکر مقصود ہوتا ہے۔

☆ کنایہء وصفیہ: یہ کنایہ کی وہ صورت ہے جس میں صرف صفت مطلوب ہوتی ہے، اس کی بھی دو اقسام ہیں:

۱) کنایۂ وصفیہ قریب...... ب) کنایۂ وصفیہ بعید

وصفیہ قریب میں لازم و ملزوم کے مابین کوئی واسطہ ہوتا ہے جسے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، جبکہ وصفیہ بعید میں لازم و ملزوم کے درمیان کئی واسطے ہوتے ہیں جنھیں سمجھنے میں بہت سے رکاوٹیں ہوتی ہیں۔

☆ کنایہ مطلوبیہ: کنایہ کی وہ صورت ہے جس میں موصوف کے لیے کسی صفت کا اقرار یا انکار مقصود ہوتا ہے۔

''کنایہ'' کی ان متذکرہ بالا صورتوں کے علاوہ اس کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

> ''تعریض''، ''تلویح''، ''رمز''، ''ایما'' یا ''اشارہ''، اُردو کی قدیم و جدید دونوں قسم کی کتب میں کنایہ کی یہی اقسام درج ہیں۔ کنایہ مجاز کی وہ صورت ہے جو تلویح، تعریض، رمز اور ایما میں اپنی توسیع پاتا ہے۔''(۱۶)

''تلویح'' کے لغوی معنی دور سے اشارہ کرنا، واضح اور روشن کرنا، چمکانا آگ سے گرم کرنا، سفید بالوں والا

کرنا، چہرہ متغیر کر دینا وغیرہ کے ہیں جبکہ اصطلاحی معنوں کے علاوہ ''تلویح'' سے مراد ہے ایسا ''کنایہ'' جس سے لازم سے ملزوم تک پہنچنے کے لیے کئی واسطوں سے گزرنا پڑے۔

''تعریض'' کے لغوی معنی چھیڑنا، اعتراض کرنا اور کنایہ کی بات کرنا وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاح میں تعریض، ''کنایہ'' کی وہ قسم ہے جس میں اشارہ کسی اور طرف کریں اور اس سے مراد کوئی اور پہلو لیں۔ یعنی ایک بات کہہ کر دوسری مراد لینا، تعریض کہلائے گا۔

رمز کے لغوی معنی ابرو، آنکھ یا لب سے اشارہ کرنا، پوشیدگی، وغیرہ کے ہیں۔ یہ کنایہ کی وہ قسم ہے جس میں لازم و ملزوم کے مابین زیادہ واسطے نہ ہوں لیکن ایک کا اخفا موجود ہو۔

''ایما'' جسے اشارہ بھی لکھتے ہیں، کے لغوی معنی اشارہ، اشارہ کرنا اور کنایہ کے ہیں۔ یہ کنایہ کی وہ قسم ہے جس میں لازم و ملزوم کے درمیان نہ زیادہ واسطے ہوتے ہیں اور نہ پوشیدگی کی کیفیت ہوتی ہے بلکہ سننے اور پڑھنے والے کا ذہن بغیر کسی ذہنی مشقت اور ریاضت کے اصل معنی و مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

''استعارہ'' کی یہ مختلف صورتیں ہیں۔ اگرچہ کنایہ کو علمِ بیان کا ایک الگ رُکن تصور کیا جاتا ہے لیکن غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مذکورہ صورتیں ''استعارہ'' کی بحث میں اپنی اپنی اہمیت و افادیت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ادبی بحث میں ''استعارہ'' کا مقام و مرتبہ ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ ادب اور غیر ادب میں بنیادی فرق ''استعارتی'' فضا کا ہے۔ غیر ادب میں بیانیہ اسلوب کارفرما ہوتا ہے جب کہ ادب میں ''استعاراتی پیرایہ'' مدِنظر رہتا ہے۔ اس لیے ادبی مباحث میں ''استعارہ'' کی بحث ہمہ جہت بھی ہے اور ہمہ پہلو بھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ''علمِ بیان'' کے تمام ارکان میں استعارہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے تو بے جا نہ ہوگا اور کنایہ، تعریض، تلویح، رمز، اشارہ اور اب جدید بلاغتی مباحث میں علامت؛ ''استعارہ'' کی توسیعی اور جدید صورتیں ہیں۔

# حوالہ جات وحواشی


۱۔ دیکھئے دریائے لطافت از انشاء اللہ خان انشاء، حدائق البلاغت، از امام بخش صہبائی، معیار البلاغت از سحر، دیبی پرشاد، بحر الفصاحت از نجم الغنی، تذکرۃ البلاغت از مولوی ذو الفقار علی، تفہیم البلاغت از پروفیسر وہاب اشرفی اور نسیم البلاغت، جعفری، جلال الدین احمد، کنز البلاغت از جعفری، جلال الدین احمد، تاج فصاحت و بلاغت، از خورشید حسین بخاری، ایم۔اے، آئینہ بلاغت، از: مرزا محمد عسکری، صحیفہ فنون ادب، از صغیر احمد جان، البیان از عابد علی عابد اور درس بلاغت، مرتبہ: ترقی اُردو بیورو، وغیرہ

۲۔ بیگ، مرزا، محمد سجاد، تسہیل البلاغت، (دہلی: صفوۃ اللہ بیگ صوفی پبلشرز، ۱۳۳۹ھ، ص ۱۲۳

۳۔ ترقی اُردو بیورو، مرتبہ: درس بلاغت، (دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۹ء، ص ۱۹

۴۔ عابد علی عابد، البیان، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء، ص ۲۸۸

۵۔ شوکت سبزواری، معیار ادب، کراچی: مکتبہ و اسلوب، ۱۹۶۱، ص ۹۵

۶۔ ساجد اللہ تفہیمی، دکتر، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص ۳۶

۷۔ کلیم الدین احمد، پروفیسر، فرہنگ ادبی اصطلاحات، دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۱۱۔ شوکت سبزواری، معیار ادب، کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۶۱ء، ص ۱۰۵-۱۰۶

۱۲۔ نجم الغنی، مولوی، بحر الفصاحت (جلد دوم) لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۸۱۶

۱۳۔ جلال الدین احمد، حافظ، سید، جعفری، زینبی، کنز البلاغت، (الہ آباد: انوار احمد مطبوع گردید، س، ن) ص ۱۶۸

۱۴۔ عابد علی عابد، البیان، ص ۳۰۶

۱۵۔ خدیجہ شجاعت علی، فن شاعری، لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س، ن، ص ۵۵-۵۶

۱۶۔ کنایہ کی ان اقسام کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے حوالے سے ''فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔


☆☆☆